انسانی معاشرے میں ارتقا کے اصول

حضرت شاہ ولی اللہ کی نظر میں

شمس الرحمٰن محسنی

معاشرہ اور جماعت کی حقیقت سمجھنے اور ان کی نگرانی کرنے والے اصول و قوانین منضبط کرنے کے لئے ارتقائے جماعت کا تفصیلی مطالعہ بہت ضروری ہے۔ جب تک یہ بات ذہن نشین نہ ہو جائے کہ معاشرہ کی ابتداء نہایت سادہ صورتوں سے عمل میں آئی ہے۔ اور اس کے تمام مظاہر و عناصر آہستہ آہستہ ترقی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اس وقت تک ہم نہ معاشرہ اور جماعت کے مختلف مظاہر کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں اور نہ معاشرہ کے لئے ان کی ضرورت ہماری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ عمرانیات کے ماہرین اسی لئے سب سے پہلے جماعت کے ارتقاء کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر ہر اجتماعی عنصر کی ارتقائی تاریخ کی روشنی میں وہ اصول معلوم کرتے ہیں جو معاشرہ کے عروج و زوال اور صلاح و فساد کا باعث بنتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے معاشرۂ انسانی میں اصول ارتقاء کی کارفرمائی پر اتنی وضاحت اور صراحت کے ساتھ تو کہیں بحث نہیں کی، جس طرح کہ آج کل عمرانیات میں ہوتی ہے۔ البتہ اجتماعی اداروں کے مختلف درجات مقرر کر کے انہوں نے جو مباحث مدون کئے ہیں، ان کے پیش نظر یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ معاشرہ میں ارتقاء کے قائل ہیں۔ اس خیال کی وضاحت اس وقت اور بھی ہو جاتی ہے جب ہمیں ان کے اجتماعی اداروں کے تذکرہ میں وحدت الوجود کے اثرات ملتے ہیں۔ وحدۃ الوجود کائنات میں ارتقاء کا قائل ہے معاشرہ بھی اس سے باہر نہیں۔ کائنات میں ارتقاء کی کارفرمائی معدنیات نباتات اور دوسری مخلوقات کے باہمی ربط کو سامنے رکھ کر سمجھائی جاتی ہے۔

"تفہیمات الٰہیہ" (جزو اوّل) میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

"ہر زمانے میں نیا ظہور ہوتا ہے، اور ہر ظہور کے اپنے احکام ہوتے ہیں چنانچہ جیسے جیسے زمانہ بدلتا ہے اس کے ساتھ احکام بھی بدلتے ہیں، اور نئے نئے ترجمانِ حق آتے ہیں۔ منشاء الٰہی کا پہلا ظہور معدنیات کی صورت میں ہوا معدنیات کے بعد عالم نباتی قدرتِ حق کا محور تھی، نباتات سے حیوانات نے یہ منصب لیا اور پھر انسان کی شکل میں ارادۂ حق کا ظہور ہوا۔"

وحدۃ الوجود کا عقیدہ ہمیں بتاتا ہے کہ نظامِ عالم ترقی پذیر ہے وہ ابتدائے آفرینش سے اب تک سینکڑوں قالب بدل چکا ہے۔ جمادات ارتقائی قوتوں کے ذریعے نباتات کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ اور نباتات کے بعد حیوانی مظاہر کی منزل شروع ہوتی ہے۔ حیوانات کی ارتقائی منزل کی سرحد سے انسانیت کی سرحد نمودار ہو جاتی ہے۔ شاہ صاحبؒ مخلوقات کے ان ارتقائی مدارج ہی کی مثال سے اجتماعی اداروں یا انسانی معاشرہ کے مختلف درجات کا باہمی ربط و تعلق سمجھاتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ معاشرۂ انسانی میں ارتقاء کو اسی طرح کارفرما مانتے ہیں جس طرح کائنات کے دوسرے مظاہر میں "بدور بازغہ" میں فرماتے ہیں:-

"انسانی معاشرہ کے ابتدائی درجہ میں اجتماعی اداروں کی تشکیل جانوروں کے اجتماع سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی فرق اتنا ہے کہ حیوانات میں یہ ارتقاء بطور اجمال پایا جاتا تھا۔ انسانوں میں آ کر یہ پوری طرح نشوونما پاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ اپنی اس ابتدائی شکل میں بھی حیوانات کے اجتماع کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور بلند درجہ ہوتا ہے۔ حیوانی معاشرہ کے بعد معاشرہ انسانی کا یہ ابتدائی درجہ بالکل اس طرح وجود میں آتا ہے جیسے عناصرِ کائنات سے جمادات پیدا ہوتے ہیں انسانوں میں معاشرہ کا دوسرا درجہ پہلے درجہ کے بعد آتا ہے اس سے پہلے نہیں آ سکتا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی سمجھنا چاہیئے جیسے جمادات کے بعد نباتات کا آنا۔ انسانی معاشرہ کے اس درجہ میں

پہلے درجہ کی تمام باتیں پائی جاتی ہیں لیکن اب ان میں لطافت، عمدگی اور بہتر تنظیم پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے درجے کے بعد معاشرہ انسانی کے تیسرے درجے کا آنا نباتات کے بعد حیوانات کی تخلیق کے مانند ہے۔ جس طرح حیوانات میں نباتات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں اسی طرح اس تیسرے درجہ میں دوسرے درجے کی صفات بھی ہوتی ہیں۔ لیکن ذرا مختلف شکل میں۔ حیوانیت کے بعد انسانیت کی منزل آتی ہے۔ ارتفاقات (اجتماعی اداروں) میں اس کی مثال تیسرے اور چوتھے درجے کو سمجھنا چاہیئے۔"

ادارات اجتماعیہ کے مندرجہ بالا چار درجات کی تفصیل تو آئندہ اپنے مقام پر آئے گی۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ شاہ ولی اللہؒ وحدۃ الوجود کی ذہنیت کے ماتحت معاشرۂ انسانی کو جامد نہیں بلکہ ارتقاء پذیر مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ معاشرہ کبھی ایک حالت پر نہیں ہے جس میں آج نظر آتا ہے اس اس درجہ تک وہ بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد پہنچا ہے۔ انسانی معاشرہ میں پہلے اتنی بہتر تنظیم اور خوبی نہ تھی جتنی کہ آج پائی جاتی ہے انسانوں میں جماعت پسندی کا جذبہ جتنی قوت کا آج مالک ہے اس سے پہلے نہ تھا۔ شاہ صاحب نے ارتفاقات کے عنوان سے جو مباحث مدون کئے ہیں ان کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے نہ صرف یہ کہ معاشرہ میں اصول ارتقا کی کارفرمائی ثابت ہوتی ہے بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ارتقائے جماعت میں یہ کہاں تک مدد دیتے ہیں اور انسانوں میں جماعت پسندی کا جذبہ کس طرح ترقی کرتا ہے۔

نوعی تقاضے اور ارتقاء

انسانوں میں جماعت پسندی کا جذبہ ان اعمال و افعال کے ذریعے تربیت پاتا ہے جو اجتماعی طور پر انجام دیئے جاتے ہیں۔ انسان کے یہ عمل بدلتے رہتے ہیں اور اس تبدیلی کا نتیجہ اجتماعیت کی ترقی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہر اجتماعی عمل ایک جماعتی مظہر کی تشکیل کرتا ہے۔ مظہر اجتماعی کا تنوع ہی ارتقائے جماعت کا کفیل ہے۔ مختصر یہ کہ اجتماعی اعمال و افعال ارتقائے معاشرہ کا

زندہ ہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ انسان بعض خاص خاص کام کیوں کرتا ہے اور اس کے یہ اعمال اپنی شکلیں کیوں بدلتے ہیں تو ہماری نگاہ سے ارتقائے جماعت کا کوئی راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ شاہ صاحبؒ انسان کے انفرادی اور اجتماعی تمام کاموں کا سرچشمہ اس کے نوعی اور جنسی تقاضوں کو قرار دیتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں فطری تقاضوں کی بحث کو اگر بحث ارتفاقات (اجتماعی اداروں کی بحث) سے ملا کر پڑھا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک معاشرۂ انسانی کا ارتقار بھی انسان کے فطری تقاضوں کا رہین منت ہے۔

انسان کے فطری تقاضوں میں ایک ترتیب پائی جاتی ہے۔ وہ سب ایک درجہ کے نہیں ہیں بعض تقاضوں کو پورا کئے بغیر انسان زندہ نہیں رہتا۔ اس لئے سب سے پہلے ان ہی کی تعمیل ضروری ہے۔ ایک خاص حد تک جب ان کی تعمیل ہو جاتی ہے تب کہیں دوسرے تقاضوں کی باری آتی ہے۔ انسان نے اپنے فطری تقاضوں کو کمال حسن و خوبی کے ساتھ پورا کرنا رفتہ رفتہ سیکھا ہے۔ وہ ابتدا میں صرف اپنی حیوانی خواہشات پوری کرتا تھا۔ وہ بھی نہایت ابتدائی شکل میں، کیونکہ وہ فطرت کے خزانوں سے ناواقف تھا، اور کائنات کی قوتیں اس کے قابو میں نہ آئی تھیں۔ جوں جوں وہ فطرت کی قوتوں کو تسخیر کرتا گیا اپنے فطری تقاضوں کو اچھی سے اچھی طرح پورا کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہوتی گئی، اور آخر کار اس کی حیوانی خواہشات پورا کرنے کے طریقوں میں حسن و لطافت کا عنصر شامل ہو گیا۔ اس طرح اسے جنسی تقاضوں کے علاوہ اپنے نوعی تقاضوں کی تکمیل پر بھی قدرت حاصل ہو گئی۔

شاہ صاحبؒ نے بہت جگہ اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ خارجی حالات کا انسان پر اور اس کے فطری تقاضوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ خارجی حالات بدلتے رہتے ہیں، یہ بدلتے ہوئے حالات ہر مرتبہ فطری تقاضوں کو ایک نئی شکل دیتے ہیں۔ فطری تقاضوں کی یہ نئی شکل خارجی حالات کو دوبارہ بدل دیتی ہے۔ اور یہ نئے فطری تقاضوں کو پھر دوسری شکل دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اس طرح معاشرہ برابر ترقی پذیر رہتا ہے۔

انسانی اور حیوانی معاشروں میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے وہ یہ کہ معاشرۂ انسانی میں ترقی کی رفتار بہت تیز ہے اور اس کے ارتقار کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ اس کا سبب انسان کے نوعی تقاضے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے، ان نوعی تقاضوں کی بنیاد مذاقِ

لطیف رائے کلی اور علم و تجربہ کی پیاس کو قرار دیا ہے۔ غور سے دیکھئے تو انسانی معاشرہ میں ترقی کی تیز رفتاری اور ارتقائے جماعت کا اٹوٹ سلسلہ ان ہی کے دم سے قائم ہے۔ انسان کی فطرت کھانے پینے رہنے سہنے اور پہننے اوڑھنے کی طبعی ضروریات کو پورا کرنے ہی پر قناعت نہیں کرتی اگر ایسا ہوتا تو شاید انسانی معاشرہ کبھی ترقی کے منازل طے نہ کرتا، یا اگر ان میں تبدیلی ہوتی تو محض حالات کے بدل جانے سے، لیکن ایسا نہیں ہے وہ اپنی ضروریات کو لطافت و حسن اور عقلی نظریات کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ ضروریات پورا کرنے کا جو طریقہ اس کے مذاق لطیف کو نہیں بھاتا اس کے عقلی نظریات پر پورا نہیں اترتا۔ اور اس کے پہلے سے حاصل کئے ہوئے علوم و تجربات کے خلاف ہوتا ہے وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور دوسرے عمدہ اور مفید طریقوں کی تلاش اسے ہر وقت سرگرداں رکھتی ہے۔ اس کی بے چین طبیعت اس وقت ہی اطمینان کا سانس لے سکتی ہے جب اسے یہ طریقے معلوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان طریقوں کی دریافت جو نئے حالات پیدا کرتی ہے ان میں بھی اسے سکون نہیں ملتا وہ اس منزل پر ٹھہرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس مقام پر زیادہ نہ ستائے۔ بلکہ جلد ہی دوسری منزل کی طرف قدم بڑھائے۔ خوب سے خوب تر حاصل کرنے کی یہ تڑپ انسان کو کبھی ایجادات و اختراع کی دنیا میں لے جاتی ہے۔ وہ یہاں پہنچکر اپنے استعمال کے لئے نئی نئی چیزیں بناتا ہے۔ اپنی جماعت کا نظام چلانے کے لئے بہتر سے بہتر ترکیبیں ایجاد کرتا ہے اور اپنی ہر قسم کی ضروریات پورا کرنے کے لئے فطرت کی قوتوں کو مسخر کرتا رہتا ہے کائنات کی یہ تسخیر اس کے جماعتی نظام کو یکسر بدل دیتی ہے۔ اور اسے جماعتی نظام کا دوسرا ڈھانچہ تیار کرنا پڑتا ہے۔ کبھی وہ عقلی نظریات رائے کلی اور علوم و تجربات کے وسیلے سے کام لیتا ہے۔ اور یہ غور کرتا ہے کہ اس کی جماعت کن بنیادوں پر قائم ہے اور انسانی معاشرہ کی بنیاد کن باتوں پر ہونی چاہیئے۔ وہ علی حدہ معاشرہ کے ہر ہر مظہر پر غور کرتا ہے۔ انقلاب امم کی داستان اس کے سامنے رہتی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب معلوم کئے جاتے ہیں اور جماعت کے لئے ایک صالح نظام تیار ہوتا ہے۔ یہ کسی ایک گروہ کا نصب العین بن جاتا ہے اس نصب العین سے عقیدت رکھنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح یہ ایک انقلابی تحریک بن جاتی ہے اس انقلاب کی کامیابی پر جماعت کا نظام بدل جانا یقینی ہے۔ ایجادات و اختراعات اور عقلی نظریات ہی وہ انقلابی مظاہر ہیں جو انسان کے نوعی تقاضوں کی تحریک پر وجود میں آتے ہیں، اور انسان کے معاشرہ

میں ترقی اور ارتقاء کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ اس لئے ان مظاہر کا ذرا تفصیل سے مطالعہ ضروری ہے۔

ایجادات و اختراعات

ایجاد اور اختراع کے اظہار کا میدان فطرتِ خارجی ہے ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انسان اور فطرت کے خارجی مظاہر میں کش مکش نظر آتی ہے۔ تاریخ کے ابتدائی دور میں انسان کو حفظ نفس اور بقاء نسل کے لئے سردی، گرمی، وحشی جانوروں، دریاؤں، جنگلوں اور زمین کی قوتوں سے برسرِ پیکار رہنا پڑتا تھا۔ اس کش مکش نے فطری طور پر اسے ایسے طریقے دریافت کرنے اور ایسے اوزار ایجاد کرنے پر مجبور کیا جن کے ذریعے وہ فطرت کے ان خارجی مظاہر پر قابو پا سکے۔ ابتدائی معاشرے میں زندگی بہت سادہ تھی اور انسان کی ضرورتیں فطرت کے چند سرچشموں سے پوری ہو جاتی تھیں۔ انسان اس وقت جڑیں جھڑبیریاں کھاتا چٹانوں اور غاروں میں رہتا، اور درخت کے پتوں سے اپنا بدن ڈھک لیتا تھا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک اپنی ان ایجادوں پر قناعت نہیں کر سکا۔ اسے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ فطرت کے بے پایاں سرمائے پر قبضہ و اقتدار حاصل کرنے کے ذرائع دریافت کرتا جائے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ترکیبیں ایجاد کرتا رہے آخر اس تمام جدوجہد کی انسان کو کیوں ضرورت پیش آئی۔

شاہ صاحبؒ اس کا بڑی وضاحت سے جواب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ انسان کے دو فطری تقاضوں کا نتیجہ ہے۔ ایک تو علم و تجربات کی خواہش انسان کو کائنات کی ہر شے کی حقیقت کی تلاش اور دنیا کی ہر چیز کے خصائص اور امتیازات کی جستجو میں سرگرداں رکھتی ہے وہ ہر اس نئی چیز کو جسے وہ پہلی مرتبہ دیکھتا ہے نہایت غور و خوض سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اشیائے کائنات کے بارے میں اس کا مطالعہ روز بروز وسیع ہوتا رہتا ہے، دوسرے وہ ہمیشہ ہر چیز میں لطف و خوبی اور حسن و نزاکت تلاش کرتا ہے اور اپنی ضروریات پورا کرنے کے طریقوں کو ہمیشہ بہتر سے بہتر دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ دونوں جذبے انسان کو ہمیشہ نت نئی دریافتوں اور جدید سے جدید ایجادوں پر اکساتے رہتے ہیں۔ اس طرح ایجادات کا یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔

شاہ صاحبؒ نے اجتماعی زندگی میں ایجاد و اختراع کی اہمیت کسی جدا عنوان کے ماتحت واضح کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن کسی اجتماعی ادارے کو ایک درجے سے دوسرے درجے تک پہنچنے میں جدید

دریافتوں اور نئی نئی ایجادوں کے ذریعے جو مدد ملتی ہے شاہ صاحبؒ اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ ارتفاقات کا بیان ارتقائے معاشرہ کے اس پہلو پر کافی وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے وہ ہر اس موقعہ پر جب معاشرہ ایک درجہ سے بلند تر درجہ کی طرف ترقی کرتا ہے۔ بعض اہم ایجادات اور ضروری دریافتوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

انسان کی ابتدائی زندگی معاشرہ کی پہلی منزل میں کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ انسان کی ایجاد و اختراع کی صلاحیت اسے برابر بدلتی رہتی ہے۔ معاشرہ کو درجہ اول کی تکمیل تک پہنچنے میں جن اشیاء کی ضرورت پیش آتی ہے اور جنھیں وہ ایجاد و اختراع کے ذریعے حاصل کرتا ہے، بہت ہیں۔ شاہ صاحب نے ارتفاقات کے مباحث میں ان کی ایک فہرست تحریر فرمائی ہے جسے ہم مختصراً ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ زبان ۲۔ مکان ۳۔ لباس ۴۔ پکانے کے طریقے ۵۔ برتن بنانا۔ ۶۔ جانوروں کی تسخیر ۷۔ کاشت کاری ۸۔ ایسی صنعتیں جن پر کھیتی کا دارو مدار ہے جیسے کدال ڈول، ہل، رسی وغیرہ۔

معاشرہ کی ابتدائی شکل میں انسان ان چیزوں کو معمولی شکل میں حاصل کرتا ہے۔ لیکن نیک سے نیک تر کی جستجو انسان کو ان چیزوں کو بہتر سے بہتر شکل میں حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس لئے وہ ان میں سے ہر چیز کو عمدہ سے عمدہ شکل میں بنانا سیکھتا ہے۔ اور اس کی ضرورتیں برابر بڑھتی رہتی ہیں۔ ایک منزل ایسی آتی ہے کہ کوئی شخص یا خاندان اپنی ان تمام ضرورتوں کی اشیاء تیار اور فراہم نہیں کر سکتا۔ اس لئے معاشرہ میں مبادلہ امداد باہمی، اجرت و کسب میں مدد دینے والی اشیاء دریافت ہوتی ہیں، اور معاشرہ دوسری منزل میں قدم رکھتا ہے۔ اس جگہ پہنچ کر ترقی کی رفتار پہلے سے بھی تیز ہو جاتی ہے۔ اور اب انسانی زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں پر علم و تجربہ کی روشنی میں نظر ثانی کی جاتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو کے متعلق ایک مستقل حکمت اور فن مرتب ہو جاتا ہے۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پیشوں میں تنوع اور کثرت پیدا ہو جاتی ہے۔ پیشوں کی یہ کثرت اور تنوع ایجاد و اختراع کی رفتار تیز کر دیتی ہے۔ اور اب معاشرہ میں اتنے مختلف مفاد رکھنے والے پیشے معرضِ وجود میں آجاتے ہیں کہ ان کی اور اس نظام کی حفاظت کے

بغیر جس کے گرد یہ پیشے نشوونما پاتے ہیں، انسانی زندگی کی بقا مشکل ہوجاتی ہے۔ ایک مستحکم سیاسی نظام کی یہ ضرورت معاشرہ کو ایک تیسری منزل میں داخل کردیتی ہے نظام کے استحکام کے بعد ایجاد و اختراع کی رفتار میں نسبتاً اور تیزی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اس طرح معاشرہ نئی نئی ضروریات کو پورا کرکے آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اس منزل میں ایجادات و اختراعات اور نظام معاشرہ میں ایک خاص ربط و تعلق اور موزونیت و مناسبت کی ضرورت رہتی ہے۔ جب کبھی یہ توازن بگڑتا ہے اس کا اثر معاشی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی نظام پر پڑتا ہے۔ اور اس میں تبدیلی ہوجاتی ہے

"شاہ ولی اللہ صاحب ایک عالم ربانی تھے۔ قدرتی بات تھی کہ ان کا موضوع بحث انسانی زندگی کا اخلاقی اور مذہبی پہلو ہوتا شاہ صاحب کے زمانے میں ربانی عالموں کا دستور تھا کہ وہ اسباب معیشت کے بارے میں سوچنا برا سمجھتے اور نیکی اور تقویٰ کے لئے ترک اسباب پر بہت زور دیتے۔ ان کے نزدیک دنیا نجس تھی اور دنیا کا کاروبار چلانے والے دنیا کو چھوڑنے والوں سے کم درجے پر سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہم شاہ صاحب کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے تمام مابعد الطبیعاتی رجحان اور تصوف و ریاضت سے اس قدر دل بستگی کے ساتھ ساتھ انسان کی معاشی ضرورتوں کو اپنے عمرانی فلسفے میں غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ اور اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ انسان کی اخلاقی زندگی کا دارومدار بہت حد تک اس کی اقتصادی زندگی کے حسن انتظام پر ہے۔"